اختیار کی ہے اور خدا اسے اس کی گمراہی کے حوالے کر دے گا" (نہج البلاغہ)

الائمۃ من قریش

خلافت اسی کا حق ہے جو اس کا اہل ہو لیکن جناب جاوید احمد اس اصول کے برعکس یہ رائے رکھتے ہیں کہ قریش کو خلافت کا حقدار اس لیے قرار دیا گیا کہ انھیں عرب کے عام مسلمانوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل تھا یہی بات ان کے استاذی الامام جناب مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے کچھ اس طرح بیان کی ہے کہ "حضورؐ نے فیصلہ قریش کے حق میں دیا تو اس کا واضح مطلب یہ ہوگا کہ اسلام میں خلافت و امارت کا استحقاق اس پارٹی کو حاصل ہوتا ہے جس کو اپنی دینی و اسلامی خدمات اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ کے اعتبار سے ملک کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو" (اسلامی ریاست ص۲۴) خط کشیدہ الفاظ اسی حقیقت پر دال ہیں کہ یہ حضرات خلافت کے لیے کثرتِ رائے کے حصول یا بالفاظ دیگر جس کے حق میں زیادہ ووٹ پڑیں اسے ہی خلیفہ یا امیر بننا چاہیے" کا تصور رکھتے ہیں یہی نظریہ جمہوریت کا بنیادی تصور ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی قریش کو صرف اسی لیے خلافت کا مستحق قرار دیا تھا کہ انھیں ملک کی اکثریت کا اعتماد حاصل تھا" مسند احمد اور مسند ابو داؤد طیالسی میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ ایک حدیث ہے کہ" ائمہ قریش میں سے ہوں گے جب تک وہ تین باتوں پر عمل کرتے رہیں۔ حکم کریں تو عدل کے ساتھ کریں، جب ان سے رحم طلب کیا جائے تو رحم کریں، جب عہد کریں تو وفا کریں پھر جو ان میں سے ایسا نہ کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت" یہی حدیث نسائی، حاکم، ابو یعلی اور طبرانی نے مختلف طرق سے روایت کی ہے لیکن الفاظ کم و بیش یہی ہیں۔ اس حدیث کو ایک بار پھر پڑھ لیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ اس میں قریش کو ملک کی اکثریت کے اعتماد حاصل ہونے کا ذکر کہاں ہے؟ خلافت کے بارے میں دوسری حدیث یہ ہے جسے امام شافعی اور بیہقی نے عطاء کی مرسل روایت سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا" تم اس کارِ حکومت کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہو جب تک حق پر قائم رہو لیکن اگر حق سے منہ موڑو گے تو تمھاری اس طرح کھال کھینچی جائے گی جیسے اس ٹہنی کی چھال اتار دی جائے۔" اس حدیث میں بھی قریش کے عوام کے معتمد ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ امامت قریش کے بارے میں تیسری حدیث کا لفظی ترجمہ یہ ہے" تحقیق یہ امر قریش میں ہے،

نہیں دشمنی کرے گا ان میں سے کوئی مگر اُلٹ ڈالے گا اس کو اللہ تعالیٰ اسی کے منہ کے بل جب تک کہ قائم رکھیں گے قریش دین کو" (بخاری)

یہاں اس تکرار کی ضرورت نہیں کہ تیسری حدیث میں بھی امامت یا خلافتِ قریش کو اکثریت کے اعتماد سے لازم و ملزوم قرار نہیں دیا گیا بلکہ ان تمام احادیث میں قریش کی اس اہلیت کا ذکر ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت دینِ حق اور اسلام کو بہتر طریقے سے قائم کر سکتے ہیں اور جب تک وہ اس اہلیت کو کام میں لاتے رہیں خلافت و امامت پر فائز رہیں گے لیکن ہمارے کرمفرما قریش کی اس اہلیت کو صرف تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ وہ اس اہلیت کے دوسرے حصے یعنی قریش ـــ نظامِ حکومت چلانے کا ڈھنگ بھی رکھتے ہیں، کو اکثریت کے اعتماد کے حصول کے مترادف قرار دینے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں تاکہ اس سے خلیفہ کے لیے اکثریت کا اعتماد حاصل ہونا اور کرنا ضروری ثابت ہو سکے۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ "قرآن و حدیث کے مطابق بات یہی ثابت ہو سکتی ہے کہ حضورؐ نے ان کو یہ ترجیح ان کی دینی خدمات اور ان کے عام اعتماد و رسوخ کی بنا پر دی ہو جو پورے عرب میں ان کو اس وقت حاصل تھا۔ اپنے اس موقف کی تائید میں وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "اے سعدؓ! تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے تمہارے سامنے یہ بات فرمائی تھی کہ اس خلافت کے حامل قریش کو ہونا چاہیے کیونکہ عرب کے اخیار ان کے اخیار کے پیرو رہے ہیں اور ان کے اشرار ان کے اشرار کے ـــ انہی حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد ہے: اہلِ عرب قریش کے سوا کسی کی قیادت سے آشنا نہیں ہیں۔" مولانا اصلاحی اپنے موقف کی تائید میں یہ حدیث بھی لائے ہیں کہ "اہلِ عرب قریش کے تابع ہیں ان کے نیک ان کے نیکوں کے اور ان کے بد ان کے بدوں کے۔" (اسلامی ریاست ص۵۴، ۵۵)

اصل بات یہ ہے کہ اہلِ عرب کا قریش کے تابع ہونا ـــ قریش کی اسلام قائم کرنے کی اہلیت کا ایک حصہ ہے کہ اہلِ عرب قریش کے امورِ مملکت چلانے کے اہل ہونے کے قائل ہیں لیکن قریش کو خلافت و امامت کا مستحق صرف اور صرف ان کی اسلام قائم کر سکنے کی اہلیت کے پیشِ نظر قرار دیا گیا کیونکہ احادیث میں جہاں جہاں بھی قریش کے خلافت و امامت کے مستحق ہونے کا ذکر ہے وہاں وہاں "دین ـــ اور حق ـــ یا دینِ حق کے چند اصولوں" کے قائم رکھنے کی اہلیت کا تذکرہ ہے۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ بجا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلافتِ قریش اور قریش کے

عوام کے متحد ہونے کو لازم و ملزوم تو نہیں سمجھتے ورنہ ان دونوں کا ذکر وہ ایک ساتھ نہ کرتے تو عرض ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ثقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ بھی کہا تھا اس سب کچھ کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی ورنہ ابن اسحاق کی کتاب الکبیر کی یہ روایت بھی سامنے آتی کہ "حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ثقیفہ کے مجمع میں فرمایا — ان هذا الامر فی قریش ما اطاعوا الله و استقاموا علی امرہ یعنی یہ بات قریش میں رہے گی جب تک اللہ کی اطاعت کریں گے اور اس میں مستقیم رہیں گے۔" (مسئلہ خلافت، مولانا ابوالکلام آزاد)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ان دونوں ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھی قریش کو خلافت کا مستحق صرف اس لیے قرار دیتے ہیں کہ قریش دین یا اللہ کی اطاعت پر مبنی نظام حکومت قائم کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ لوگ ابھی قریش ہی نظام حکومت چلانے کی اہلیت کو تسلیم کرتے ہیں۔

یہاں یہ تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ قریش کی اہلیت کے صرف ایک ثانوی حصہ کو ہی مکمل بلکہ اکمل اہلیت قرار دینے کی کوشش کا اپنا ایک پس منظر ہے جو مولانا امین احسن اصلاحی کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے کہ انہی کے ذہن رسا کے پیدا کردہ "مزاج شناس رسولؐ" جب یہ کہتے ہیں کہ صدرِ اول میں" خلافت کا منصب ہر عربی و عجمی مسلمانوں کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا — یہ خطرہ تھا کہ سرے سے وہ اسلامی نظام ہی مستحکم نہ ہو سکتا جس کے بے شمار اصول خیر میں صرف ایک یہ اصولِ مساوات تھا اس لیے حضورؐ نے اولیٰ و انسب یہی سمجھا کہ ان حالات میں قریش کے صالحین کو کام کرنے کا موقع دیا جائے تاکہ اس قبیلے کی طاقت اسلامی خلافت کی مزاحم بننے کے بجائے اس کی پشت پناہ بنے۔ اس صورت میں یہ غالب توقع تھی کہ اسلامی نظامِ زندگی غالب اور مستحکم ہو کر رہے گا اور جب وہ پوری طرح نافذ و مستحکم ہوگا تو جہاں اور بے شمار بھلائیاں قائم ہوں گی وہیں ایک روز خلافت کے معاملے میں بھی اصولِ مساوات قائم کرنے کے لیے سازگار حالات پیدا ہو جائیں گے" (تفہیمات حصہ سوم ص ۱۴۱، ۱۴۲) — تو مولانا اصلاحی پکار اٹھتے ہیں کہ جہاں تک حدیث الائمۃ من قریش کا تعلق ہے اس کے الفاظ تو واضح طور پر نہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ امر ہے، نہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ خبر ہے نہ یہ بتاتے ہیں کہ یہ کسی قضیہ کا فیصلہ ہے۔[1]

---

[1] یہ الگ بات ہے کہ مولانا اصلاحی ہی فرماتے ہوئے کہ "لوگوں نے اس حدیث کو اس کے (باقی اگلے صفحہ پر)

اور نہ ہی یہ بتاتے ہیں کہ حکمتِ عملی کے تحت اسلام کے اصولِ مساوات کو توڑ کر قریش کو برنائے نسب تمام عرب و عجم پر ترجیح دینے کے لیے وارد ہوئے ہیں؟ (اسلامی ریاست ص ۵۲)

دونوں حضرات کے درمیان اختلاف ہے تو صرف یہ کہ حکمت عملی کے تقاضوں کے تحت دین کے اصولوں میں ترمیم و تنسیخ ہو سکتی ہے یا نہیں۔ مولانا اصلاحی کے الفاظ میں ہی پڑھیے کہ "اس زمانے میں اسی حدیث کا سہارا لے کر بعض ذہین لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حکمت عملی کے تقاضوں کے تحت دین کے اصولوں میں ترمیم و تنسیخ ہو سکتی ہے۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اگرچہ مساوات کی تعلیم اسلام کے بنیادی تعلیمات میں سے ہے، قرآن نے بھی اس کی تعلیم دی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زندگی بھر اس کا وعظ فرمایا لیکن حکمت عملی کا تقاضا چونکہ یہی ہوا کہ خلافت قریش ہی کے ہاتھ میں رہے۔ اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات کے وقت یہ وصیت فرما گئے کہ خلفاء قریش ہوں گے" (اسلامی ریاست ص ۴۴-۴۵) اسی لیے مولانا اصلاحی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکمت عملی کے تقاضوں کے تحت دینِ اسلام کے اصولوں میں ترمیم و تنسیخ نہیں کی، بلکہ اسلامی اصولوں کے پیشِ نظر ہی قریش کو اہلیت کی بنا پر خلافت کا حقدار قرار دیا۔

عجیب بات یہ ہے کہ مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی دونوں حضرات، حکمتِ عملی کے تصور کے بارے میں اختلاف کے باوجود قریش کو خلافت کا حق دار قرار دینے کی اہلیت ایک قرار دیتے ہیں۔ مولانا مودودی کہتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس بنا پر قریش کے لیے خلافت مخصوص کرنے کی ہدایت فرمائی وہ یہ تھی کہ عرب میں ان کا اثر و اقتدار پہلے سے قائم چلا آ رہا تھا" (تفہیمات حصہ سوم ص ۱۴۱) مولانا اصلاحی اسی مفہوم کو ان الفاظ کا لبادہ پہناتے ہیں۔ کہ "حضورؐ نے ان کو یہ ترجیح ان کی دینی خدمات اور ان کے اس عام اعتماد و رسوخ کی بنا پر دی تھی جو پورے عرب میں ان کو اس وقت حاصل تھا" (اسلامی ریاست ص ۵۴)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) موقع و محل سے ہٹا کر اس کو امر یا خبر یا وصیت کے مفہوم میں لیا حالانکہ یہ نہ تو امر ہے نہ خبر نہ وصیت بلکہ ایک قضیہ اور نزاع کا فیصلہ ہے" (اسلامی ریاست ص ۴۵) اور اس حدیث کو قضیہ اور نزاع کا فیصلہ ثابت کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ہی فرمان کو "حکمت عملی" اور "اسلام کے اصولوں" کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی قریش کو خلافت کا حقدار قرار دینے کے بارے میں ایک ہی نتیجہ پر اس لیے متفق ہیں کہ دونوں حضرات جمہوریت کے بنیادی اصولوں کو اسلامی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقام پر عمل کے میدان میں "حکمت عملی" کے گھوڑے دوڑانے والے تو معذور سمجھے جا سکتے ہیں، لیکن مولانا امین احسن اصلاحی کی نہ جانے وہ کون سی مجبوری ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الائمہ من قریش ایسے فرمان اور عمل کو اسلامی اصولوں کے مطابق قرار دینے کے باوجود اس سے وہ کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں جو کم از کم میری رائے میں اسلامی اصولوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

کیا غیر قریشی خلیفہ بن سکتا ہے؟

یہ وہ معرکۃ الآرا مسئلہ ہے جسے سلجھانے کی بجائے مزید الجھانے کی ہی کوشش کی گئی ہے یہ اس لیے کہ خلافت قریش کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ارشادات کو پیش نظر نہیں رکھا گیا یا پھر ان فرامین کے تمام الفاظ کو سامنے رکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی گئی بلکہ پہلے سے طے موقف کو ثابت کرنے کے لیے اپنے مطلب کی احادیث کو سینے سے لگا لیا گیا اور دیگر احادیث کو پس پشت ڈال دیا اور پھر اپنے موقف کے حامل اسلاف کے دلائل سے ہی استفادہ کیا گیا اور مخالف نظریہ کے حامل اصحاب کے دلائل سے صرف نظر میں ہی بہتری سمجھی گئی۔

کیا غیر قریش خلیفہ ہو سکتا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے مخالف و موافق حضرات کے دلائل کے انبار لگانے کی بجائے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو خلافت کا حق دار کیوں قرار دیا؟ اگر قریش کو اہلیت کی بنا پر خلافت کا حق دار قرار دیا گیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خلافت کا سلسلہ ان میں مسلسل نہ رہے تاہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں قریش کو خلافت کا حق دار قرار دیتے ہوئے یہ الفاظ — ما اقاموا الدین — ما عملوا بثلث — ما کنتم علی الحق۔ یعنی جب تک دین کو قائم کرتے رہیں، جب تک عدل، رحم اور عہد کا ایفا — ایسی تین باتوں پر عمل کرتے رہیں اور جب تک تم حق پر قائم رہو — نظر بظاہر اس امر کا اشارہ ہیں کہ قریش

کی خلافت مشروط ہے لیکن قریش کے تمام افراد کا ایک ہی وقت میں ان شرائط کو پورا کرنے کی اہلیت سے معذور ہو جانا ایک محال بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں یہ فرمایا کہ "قریش جب تک دین کو قائم کرتے رہیں گے ان کے مخالف ان پر غالب نہیں آسکیں گے [1]" وہاں یہ نہیں فرمایا کہ غالب آنے والوں کی خلافت درست ہوگی اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ فرماتے ہیں کہ "ائمہ قریش میں سے ہوں گے جب تک وہ ان باتوں پر عمل کرتے رہیں گے" تو دوسری طرف اسی حدیث میں یہ بھی ارشاد فرمایا "پھر جو ان میں سے ایسا نہ کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور انسانوں کی لعنت" یعنی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نہیں سمجھتے کہ تمام کے تمام قریش ایک ہی وقت میں ان صفات یا ان صفات کو قائم رکھنے کی اہلیت سے معذور ہو جائیں گے۔ اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں یہ ارشاد فرمایا اے قریش تم اس کار حکومت کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہو جب تک کہ حق پر قائم رہو۔" وہاں یہ بھی فرمایا "اگر حق سے منہ موڑو گے تو تمہاری کھال اسی طرح کھینچی جائے گی جیسے اس ٹہنی کی چھال اتار دی جائے۔" یہاں بھی حق سے منہ موڑنے کا ذکر ہے نہ کہ حق قائم نہ کرنے کی اہلیت کا تذکرہ، حالانکہ ان دونوں چیزوں میں بڑا فرق ہے۔ یعنی دین کو قائم کرنے، عدل و رحم اور ایفائے عہد ایسی صفات قائم رکھنے اور حق پر قائم رہنے کی اہلیت ہر حال میں قریش میں رہے گی۔ اس صورت میں تو دین اور عدل و رحم اور ایفائے عہد ایسی صفات قائم نہ کرنے اور حق سے منہ موڑنے والے قریشی خلیفہ پر غالب آنے والوں کے لیے لازمی ٹھہرتا ہے کہ پھر سے خلافت، کو کسی بھی اہل قریشی کی طرف لوٹا دیں!

قریش میں خلافت کی اہلیت مسلسل رہنے سے متعلق موقف کی تائید یہ احادیث بھی کرتی ہیں جن میں ذکر ہے کہ "قریش کو آگے کرو اور ان سے آگے نہ بڑھو" اور یہ کہ قریش لوگوں کے

---

[1] مولانا مودودی بخاری کی یہ حدیث نقل کرتے ہوئے لا یعادیھم احد الا کبہ اللہ فی النار علی وجھہ کے الفاظ بھی لائے ہیں۔ یہ الفاظ بخاری کے صرف ایک نسخہ میں موجود ہیں کہ "یہ کام قریش میں رہے گا جو شخص بھی اس میں ان کی مخالفت کرے گا اسے اللہ اوندھے منہ آگ میں ڈال دے گا جب تک کہ وہ دین قائم کرتے رہیں۔ (تفہیمات حصہ سوم ص ۱۳۲)

قائد و رہنما ہیں" ۔ پہلی حدیث بیہقی، طبرانی اور شافعی نے مختلف سندوں سے نقل کی ہے جبکہ دوسری حدیث مسند احمد سے لی گئی ہے ۔ ممکن ہے ان احادیث کو قریش کے کارِ خلافت سنبھال سکنے اور یہ کہ لوگ اس حقیقت کے معترف ہیں کہ قریش حکومت قائم کرنے کا ڈھنگ جانتے ہیں، سے متعلق قرار دیا جائے اس لیے بخاری اور مسلم کی ایک حدیث کا لفظی ترجمہ پیش ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمیشہ ہو امر خلافت قریش میں جب تک باقی رہیں ان میں سے دو آدمی" سید عبدالاول غزنوی مشکوٰۃ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "ہمیشہ ہو امر خلافت قریش میں یعنی سوائے قریش کے کسی قوم کو اسلام کی سرداری کا حق نہیں ۔ اس مفہوم کی تائید امام احمد بن حنبل کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ "لا یکون من غیر قریش خلیفہ" کہ قریش کے علاوہ کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا ۔ (الاحکام السلطانیہ قاضی ابو یعلیٰ)

کس کی عقل معیار بننی چاہیے؟

الائمہ من القریش کی وضاحت کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ذکر ہے کہ خلافت و بادشاہی قریش میں ہے اور قضا انصار میں اور بانگ نماز (اذان) کہنی قوم حبشہ میں ہے اور امین پکڑنا اور امین کرنا ، ازد میں ہے یعنی یمن میں" (ترمذی) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں مختلف لوگوں کی مختلف امور میں اہلیت کا ذکر کیا ہے اس طرح دیگر احادیث میں دیگر لوگوں کی اہلیت کا ذکر ہے ۔ کم از کم ایک مسلمان کے لیے کسی بھی شخص کی اس اہلیت کا اعتراف بہت ضروری ہے جس کا تذکرہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہو بصورتِ دیگر وہ کسی بھی شخص کی اہلیت کی پیمائش ایسے معیار اور پیمانے رکھنے پر مجبور ہوگا جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نہیں۔

اتنی عام فہم اور چھوٹی سی بات کو سمجھنے کے لیے کسی بڑے ذہن کی ضرورت نہیں بشرطیکہ یہ مسلمان کا ہو لیکن نہ جانے وہ کونسا جذبہ تھا جس کے پیشِ نظر مولانا ابوالکلام آزاد اسی حدیث کے حوالے سے یہ فرماتے ہیں کہ "اس روایت میں ایک ساتھ تین باتوں کا ذکر ہے ــــ اگر پہلی بات (یعنی قریش کی حکومت) بیانِ حال اور پیشین گوئی نہیں ہے ، امرِ و تشریع ہے تو بقیہ دو جملوں کو بھی امر و تشریع قرار دینا پڑے گا یعنی ماننا پڑے گا کہ قاضی ہمیشہ انصاری ہی ہونا چاہیے اور مؤذن بجز حبشی کے دوسرا ہو نہیں سکتا" (مسئلہ خلافت ص۱۵) روایت میں مذکور تین باتوں کو امر و تشریع نہ بھی قرار دیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں ان تین باتوں (خلافت، قضا اور اذان) کے اہل سب سے زیادہ بالترتیب قریش، انصار اور اہل حبش ہیں اس صورت میں کم از کم ایک مسلمان سے یہ توقع رکھی جانی چاہیے کہ وہ قریشی، انصاری اور حبشی کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسرے کو حکومت قضاۃ اور اذان کا مستحق قرار نہ دے ورنہ یہ بات تکرار واصرار سے کی جائے گی کہ ایسے مسلمان کے اہلیت ماپنے کے معیار اور پیمانے ایسے ہیں جن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر نہیں اور وہ نعوذ باللہ اپنی سی عقل کو مخبر صادقؐ کی عقل سے بہتر سمجھتا ہے!

مولانا ابوالکلام آزاد یہ بھی کہتے ہیں کہ "شارع کے بیانات، انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف قسموں کے واقع ہوئے ہیں۔ از انجملہ ایک صورت احکام واوامر و تشریع کی ہے۔ یعنی کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا۔ دوسری صورت اخبار واطلاعات کی ہے۔ یہ دوسری صورت مجرد بیان واقعہ و حال ہے اور اگر آئندہ کی نسبت ہے تو پیشین گوئی ہے حکم اور تشریع نہیں ہے یعنی صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہیے" (مسئلہ خلافت صفحہ ۱۵)

شارع علیہ السلام کے بیانات کی یہ تقسیم اگرچہ محل نظر ہے لیکن اس سلسلے میں یہاں کچھ کہنے سے اس لیے گریز کیا جاتا ہے کہ یہ بحث الگ مضمون کا تقاضا کرتی ہے۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر خبر کے بارے میں یہ کہنا کہ "صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا یہ نہیں ہے کہ ایسا کرنا چاہیے" ایک غلط تصور ہے کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب یہ خبر دیتے ہیں کہ ایک ناجی طائفہ ہوگا تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس میں سے ہو اور اسے تلاش کرے تاہم "ایسا نہیں کرنا چاہیے" کا اطلاق صرف اسی خبر پر ہوگا جس میں مذمت کا پہلو ہو جیسے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تہتر فرقوں میں سے بہتر کے جہنمی ہونے کی خبر دی تو ہر مسلمان بہتر جہنمی فرقوں میں سے کسی ایک میں بھی شامل نہیں ہوگا۔ جہاں تک الائمہ من القریش کو پیشین گوئی اور خبر قرار دے کر اس دعویٰ کہ — یہ صرف ایک خبر ہے کہ ایسا ہوگا یہ نہیں کہ ایسا کرنا چاہیے — کا تعلق ہے تو صدر اول کے مسلمان اس دعویٰ کو مسترد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت قریش سے متعلق پیشین گوئی اور خبر (امر کی حیثیت سے — ایسا ہی ہونا چاہیے — کے ضمن میں ہی سنائی تھی اور حضرت سعدؓ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا تھا۔ (مسند احمد)

الائمہ من قریش اور حضرت عمرؓ

قریش کے سوا دوسروں کو بھی خلافت کا اہل سمجھنے والے حضرات ایک سوال کو، جو واقعی اہم ہے بڑے شدومد سے اٹھاتے ہیں کہ اگر قریش ہی خلافت کے مستحق ہیں تو حضرت عمر فاروقؓ دو ایسے افراد (حضرت معاذ بن جبل اور سالمؓ مولیٰ حذیفہؓ) کو خلیفہ نامزد کرنے کی خواہش کا اظہار نہ فرماتے اس لیے ان کا دعویٰ ہے کہ "اگر حضرت عمرؓ صدہا صحابہ و مہاجرین قریش کی موجودگی میں سالمؓ مولیٰ حذیفہؓ کو خلافت سپرد کر دینے کا ارادہ کر سکتے ہیں تو پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ شرعاً خلافت غیر قریش کو نہیں مل سکتی اور صحابہؓ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا!" (مسئلہ خلافت صفحہ ۱۶۵) مولانا مودودی نے اسی بات کو اس طرح لکھا ہے کہ "اگر یہ منصب غیر قریش کے لیے شرعاً ممنوع ہوتا تو حضرت عمرؓ اپنی وفات کے وقت یہ نہ کہتے کہ اگر حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو اپنا جانشین تجویز کرتا" (خلافت و ملوکیت صفحہ ۵۵) جب کہ مولانا امین احسن اصلاحی مولانا آزاد کے دعوے کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح دہراتے ہیں کہ "یہ بھی نگاہ میں رہے کہ حضرت عمرؓ یہ بات اس زمانہ میں فرماتے ہیں جب قریش بٹ نہیں گئے تھے بلکہ اپنی پوری قوت و شوکت کے ساتھ باقی تھے اور ان کے اندر عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ کے پایہ کے لیڈر موجود تھے۔" (اسلامی ریاست صفحہ ۵۸۰۵)

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اہم سوال جس قدر شدومد سے اٹھایا گیا ہے شاید اسی شدت سے اس پس منظر کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے دو غیر قریشی اصحاب کو بھی خلیفہ بنانے کا ارادہ کیا ورنہ یہ سوال اٹھانے والے حضرات حضرت عمرؓ کے اس ارادہ کو فیصلہ کن حیثیت نہ دیتے کہ یہاں تک کہا جاتا کہ "حضرت عمرؓ جیسا محرم اسرارِ خلافت کیونکر ان کی خلافت کا تصور بھی کر سکتا تھا؟" اور نہ یہ دعویٰ کیا جاتا کہ "اگر خلافت کے لیے قریشیت کی شرط پر اجماع ہو چکا ہوتا اور اس کی حیثیت ایک دستوری حکم کی ہوتی تو کیا حضرت عمرؓ کو اس اجماع اور اسلام کے اس دستوری حکم کا پتہ نہ تھا؟ اس اجماع کی حقیقت اور اسلام کے دستور سے حضرت عمرؓ زیادہ واقف ہیں یا نسفی صاحب یا شہرستانی صاحب؟" اور نہ ہی یہ سوال ذہن میں پیدا ہو سکتا کہ اس صورت میں کسی بھی صحابیؓ نے حضرت عمرؓ کو خلافت کی قریشیت کی شرط یاد کیوں نہیں دلائی۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ جب ابن عمرؓ حضرت عمرؓ کے نام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ پیغام لائے کہ "امت کو بغیر محافظ کے چھوڑ نہ جاؤ اور اپنا جانشین مقرر کر دو اپنے بعد

ان کو حیران اور بغیر نگہبان کے نہ چھوڑ جاتا مجھے ڈر ہے کہ فتنہ نہ پیدا ہو۔" (امامت والسیاست' ابن قتیبہ) تو حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ انھوں نے کس کے لیے حکم دیا ہے کہ میں اسے خلیفہ مقرر کر جاؤں۔ اگر ابو عبیدہ بن الجراحؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب اپنے خدا کے پاس جاتا، وہ پوچھتا کہ کس کو امتِ محمدیہ پر حاکم مقرر کیا ہے تو میں جواب دیتا، اس شخص کو جس کی بابت تیرے بندہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ ہر ایک امت کے لیے ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن الجراحؓ ہے۔ اگر معاذ بن جبلؓ زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے پاس ...... میں جواب دیتا اس شخص کو جس کی بابت تیرے بندہ اور رسولؐ کو میں نے یہ کہتے سنا کہ معاذ بن جبلؓ علماء کے گروہ میں ہوگا۔ اگر خالدؓ بن ولیدؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا اور جب خدا کے پاس جاتا وہ پوچھتا کہ ...... تو میں جواب دیتا جس کی بابت تیرے بندہ اور نبیؐ کو یہ کہتے سنا تھا کہ خالدؓ بن ولید خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے جس کو خدا نے مشرکین کے اوپر کھینچا ہوا ہے۔ اچھا اب میں[1] ان لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت رحلت خوش تھے (الامامۃ والسیاسۃ)

حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا طویل ارشاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس حکم کہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ بنا جاؤ، کے سلسلے میں ان چند اصحاب کے نام لیے جن کے نام ان کے ذہن میں فوری طور پر آسکے اس سے یہ قطعی مراد نہیں لی جا سکتی کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دیگر اصحاب رسولؐ کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے یا یہ کہ ان کے ذہن میں خلافت کے لیے قریشیت کی شرط کا کوئی تصور موجود نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو وہ خلافت کے لیے ان چھ اصحاب کو ہی نامزد نہ کرتے جو تمام کے تمام قریشی تھے۔

اب اس طویل ارشاد کا باقی حصہ پڑھیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ "اچھا اب میں ان لوگوں کو مقرر کرتا ہوں جن سے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت رحلت خوش تھے" تو ان چھ اصحاب (علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن وقاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف)

---

[1] دیگر لوگ بھی حضرت عمرؓ سے یہی تقاضا کر چکے تھے۔

کو بلایا ۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود نہ تھے ۔ دیگر اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اے گروہ مہاجرین اولین! میں نے لوگوں کے امور پر نظر ڈالی تو دیکھا ان میں نفاق و کینہ نہیں ۔ اگر میرے بعد ان میں نفاق و دشمنی ہوگی تو یہ تمھاری وجہ سے ہوگی ۔ تم آپس میں تین دن مشورہ کرنا ۔ اگر طلحہؓ بھی تم میں آملے تو بہتر ورنہ تم خود ہی فیصلہ کر لینا ۔ تیسرے دن تم اپنی جگہ سے متفرق نہ ہونا جب تک کہ خلیفہ نہ مقرر کر لو ۔ اگر تم نے طلحہؓ کا مشورہ لیا تو وہ اس کا اہل ہے اور ان تین ایام میں صہیبؓ نماز پڑھائے کیونکہ وہ موالی سے ہے اور وہ تم سے امر خلافت میں تنازعہ نہیں کرے گا ۔ تم انصار کے بڑے آدمیوں کو بھی بلا لینا مگر ان کے لیے امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں اور تم حسنؓ بن علیؓ و عبداللہ بن عباسؓ کو بھی بلا لینا کیونکہ ان کو درجہ قرابت حاصل ہے اور مجھے امید ہے کہ ان کے حضور میں تم کو برکت ہوگی مگر ان دونوں کے لیے امر خلافت میں کچھ نہیں ۔ میرے بیٹے عبداللہؓ کو بھی تم مشورہ کے لیے بلا لینا مگر اس کے لیے بھی امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں (امامت و سیاست)

اس پورے کے پورے طویل ارشاد کو پڑھنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ یا سالمؓ مولیٰ حذیفہؓ کو خلیفہ بنانے کا جو تذکرہ کیا ہے وہ اس لیے نہیں کہ وہ خلافت کے لیے قریشیت کی شرط کو درست نہیں سمجھتے ورنہ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ چننے والی کمیٹی میں کسی انصاری کو بھی شامل کرتے اور دوٹوک الفاظ میں یہ بات نہ کہتے کہ "ان (انصار) کے لیے امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں" یہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی بات تو حضرت حسنؓ بن علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور اپنے بیٹے عبداللہؓ کے لیے بھی کہی ہے تو عرض ہے کہ ان قریشی اصحاب کا نام لیا گیا جبکہ انصار کا ذکر اسی صورت میں ہوا ہے جو الائمۃ من قریش کا منطقی نتیجہ ہے اور قریشی اصحاب کے لیے بھی امر خلافت میں کچھ حصہ نہیں" کا تذکرہ اس لیے ہوا کہ چھ قریشی اصحاب کو خلافت کے لیے نامزد کیا جا چکا تھا ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طویل ارشاد کو پڑھنے سے اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل جاتا ہے کہ اصحاب رسولؐ حضرت عمر فاروقؓ کے مکالمہ کے ان چند فقروں کو سن کر خاموش کیوں رہے جو بظاہر خلافت کے لیے قریشیت کی شرط کے خلاف معلوم ہوتے ہیں ۔ اصحاب رسولؐ کی خاموشی اس صورت میں ـــــ غیر قریشی بھی خلافت کے اہل ہیں" ایسا موقف رکھنے والو

کے لیے دلیل بن سکتی تھی اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی بھی ایک غیر قریشی کو خلیفہ نامزد کرتے یا خلیفہ منتخب کرنے والی کمیٹی کا رکن بناتے بصورت دیگر ان کا کسی ایسی نامکمل بات پر خاموش رہنا دلیل نہیں بن سکتا جس کے مکمل ہونے پر خلافت کے لیے قریشیت کی شرط اور زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہو۔ ایسی صورت میں بھی اس امر پر اصرار کرنا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ بن سکتا ہے اور وہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کم از کم ایک بات کے پہلے حصے کو تسلیم کرنے اور دوسرے کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بستر مرگ پر طویل ارشاد اپنے قاری سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے پورے کا پورا پڑھا جائے اور سمجھ کر اس کے نتائج پر بات کی جائے۔

بیعت اور ووٹ

حکمت عملی کے بارے میں اختلاف کے باوجود مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی قریش کو خلافت کا حق دار قرار دینے کی ایک ہی وجہ پر متفق کیوں ہیں اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ یہ حضرات جمہوریت کی بنیاد — کہ اکثریت کا اعتماد حاصل کرنے والی پارٹی کو ہی حکومت کرنے کا حق حاصل ہے — کو اسلامی بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ مولانا اصلاحی تو واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ "جس طرح جمہوری نظاموں میں ملک کی اکثریت کا اعتماد رکھنے والی پارٹی کو حکومت بنانے کا حق دار سمجھا جاتا ہے اسی طرح قریش کو ان کی دینی خدمات اور ان کے عام معتمد ہونے کی بنا پر خلافت کا حق دار قرار دیا گیا۔" (اسلامی ریاست صہ ۵۵) یعنی یہ حضرات بیعت اور ووٹ کو ایک ہی نظام قرار دے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ووٹ کسی بھی ایک امیدوار کو دیا جا سکتا ہے جبکہ نظام خلافت میں یہ نہیں ہوتا کہ جو چاہے جس کی بیعت کرے جسے چاہے خلیفہ منتخب کرتا پھرے بلکہ اسلامی ریاست کے تمام مسلمانوں کو ایک ہی خلیفہ کی بیعت کرنی پڑتی ہے۔

ووٹ کے استعمال اور بیعت کے طریق کار میں واضح یہ فرق ہی ظاہر کرتا ہے ووٹ تو ایک حق حکومت ہے جسے اس کا حامل دوسرے کو تفویض کرتا ہے جب کہ بیعت ایک معاہدہ ہے کہ وہ خلیفہ کی مشروط اطاعت کرے گا یعنی اس کی بیعت کسی کو خلیفہ نہیں بناتی بلکہ وہ بنے ہوئے خلیفہ[1]

---

[1] جسے یا تو خلیفہ اپنا جانشین نامزد کرتا ہے یا پھر بعض ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل (باقی اگلے صفحہ پر)